امر کہانی



بیتاب بریلوی

"امر کہانی"

["منظوم رامائن"]

مصنفہ

(جگیشور ناتھ بیتاب بریلوی بی۔اے۔ ایل ایل۔بی۔ وکیل)
مصنف تجلیاتِ تخیل، وغیرہ وغیرہ

(پبلشرز چھوی ناتھ اینڈ برادرز آکاش بانی آفس بہاری پور بریلی)

چھاپ اوّل

قیمت عمر فی جلد علاوہ محصول

ایک ہزار

(مطبوعہ:- بریلی الیکٹرک پریس بریلی)

"انادی!"

قصوروار ہوں بیشک تمہیں بچا نہ سکا
لکھا ہوا تھا مقدر میں جو مٹا نہ سکا
غمِ فراق نے جب دل میں چٹکیاں لی ہیں
ہزار طرح سے رو رو کے منتیں کی ہیں
ہنوز میرے کلیجے کا داغ روشن ہے
کن یہ موجِ ہوا میں چراغ روشن ہے

بساطِ دہر کی ہر چیز آنی جانی ہے
تمہاری نذر تمہاری "امر کہانی" ہے
یہ داستاں غمِ شاعر کا اک فسانہ ہے
تمہارے سوگ میں ڈوبا ہوا ترانہ ہے
تمہارے نام کا چھوٹا سا یہ شوالا ہے
عروسِ فکر نے سانچے میں جس کو ڈھالا ہے
جھلک رہے ہیں جو آنسو مرے فسانے میں
تمہارا نام رہے گا "امر" زمانے میں

(بیتاب



"رام جنم"

صدیاں گذر چکی ہیں کم و بیش اک ہزار ۔۔۔ فرمانروا اودھ کے تھے دشرتھ ذی وقار
باطن میں تھے فقیر بظاہر تھے تاجدار ۔۔۔ لاغر تھا جسم کاہشِ پنہاں سے مثلِ خار
اپنا تھا کوئی تخت کا وارث نہ تاج کا
شانوں پہ اب نہ بار سنبھلتا تھا راج کا

برباد ایک عمر اسی غم میں ہوگئی ۔۔۔ پکنے لگے تھے بال مصیبت یہ تھی نئی
ہونے کو رانیاں تھیں شریکِ الم کئی ۔۔۔ سوائے دو جہاں تھی بڑی انھیں کیکئی
قاصر تھا اب چڑھاؤ سے پارا امید کا
ہونے کو تھا غروب ستارا امید کا

جی سیر ہو چکا تھا غمِ روزگار سے ۔۔۔ تھے بے نیاز گردشِ لیل و نہار سے
لگتی تھی تن میں آگ ہوائے بہار سے ۔۔۔ ملتا تھا کچھ قرار تو سیر و شکار سے
آنکھیں سفید تھیں رخِ فرزند کے لئے
لالے پڑے تھے جان کو دلبند کے لئے

تنہا تھے ایک روز بیابان میں جلوہ گر ۔۔۔ رنگنے کو ہاتھ خون میں باندھے ہوئے کمر
عریاں ہوائے آب میں جنگل تھیں سربسر ۔۔۔ یا جھاڑیوں کے جھنڈ تھے دریا کے گھاٹ پر
خلوت کی دل میں چاہ تھی فکرِ شکار بھی
پانی کی جستجو میں تھا شرون کمار بھی

خم تھا میانِ آب کہ تھی کشتیِ شراب ۔۔۔ موجوں میں کھلبلی تھی کہ اترا ہی ماہتاب

چہرہ پہ تھا وہ نور کہ دیتا تھا آب و تاب　　خورشیدِ لالہ رنگ لیے پردۂ سحاب
چھپا گل سے منہ ملا کے ترنگیں نکل گئیں
گل قل کا راگ سن کے امنگیں مچل گئیں
فریادِ تشنگی پہ تھا تیرِ اجل رواں　　لرزہ چڑھا زمین کو تھرّا گیا آسماں
آئے ہی رُت بہار کی چھٹکی رگِ خزاں　　اندھوں کے قافلہ پہ گری برقِ خونفشاں
صحرا میں گل کھلا تھا جنونِ شکار کا
نقشہ کھنچا ہوا تھا دلِ بے قرار کا
دل پر لگا جو تیر تو تھرا گئی نظر　　شرون تڑپ کے لوٹ گیا فرشِ خاک پر
لیکن نالِ کارتے دشمن نے بخشے تیر　　پھینکا جدھر تھا تیر چلے آپ بھی اُدھر
کھولی سنبھل کے کشتۂ بیداد نے زبان
دانتوں سے داب داب لی صیاد نے زبان
ماتا پتا کا بھول ہو شرون کی رام رام　　پانی پلاؤں کیا کہ ہوا کام ہی تمام
چھٹا گل سے پہلے بھر دیا عمرِ رواں نے جام　　قاتل کے ہاتھ بھیج رہا ہوں یہی پیام
محرمِ چشم و گوش ہیں بالیں پہ آئیں کیا
نورِ نظر کی لاش پہ آنسو بہائیں کیا
مارے ہوئے ہیں پیاس کے پانی پلائیے　　اندھوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی بچائیے
گھبرا نہ جائیں دشت میں تنہا میں چلیے　　تکتے ہیں راہ دیر سے چھاگل اٹھائیے
کیسے کا فرطِ غم میں یہ پتلی نہ ٹال دیں
چرنوں کی اپنے دھول مرے سر پہ ڈال دیں

۶ - درخواست
۱ - [illegible]

سر دھن رہے تھے دشت میں شرون بے علاج ــ تھے دست بستہ ڈال کے پیروں میں سر کا تاج
ناساز تھا شروع ہی سے تدبیر کا مزاج ــ منھ اپنا آپ دیکھ کے کھولی تھی آنکھ آج

بسمل کے تن سے تیر بمشکل جدا ہوا
قیدِ قفس سے چھوٹ کے طائر ہوا ہوا

اچھا تھا رونا یہ کہ شکاری تھی خود شکار ــ لاشے پہ پھوٹ پھوٹ کے روتے تھے زار زار
کہتے تھے اپنے ہاتھ سے چھوا گل جو تاجدار ــ گر گر گئے زمیں پہ یہ کہہ کہہ کے بار بار

اندھوں کو منھ دکھائیں گے کس منھ سے آج ہم
پانی انھیں پلائیں گے کس منھ سے آج ہم

لرزاں برنگ بید چلے بیکسوں کے پاس ــ بیٹھے تھے بدحواس مجسم امید و یاس
آہٹ پہ دل کے کان لگائے ہوئے اداس ــ چاہا کہ بڑھ کے ہاتھ میں پانی کا دیں گلاس

"شرون!" سنی نے پیار سے آہٹ پہ دی صدا
"پانی" پھر ہی جواب میں ڈوبی ہوئی صدا

شرون قضا کے تیر کی ناگاہ زد پہ آئے ــ ہچکی کی تھی لکیر جو بولی تھی ہائے ہائے
دشرتھ سے جب یہ کہا تو قدموں پہ سر جھکائے ــ سینے پہ ہاتھ مار کے ناشاد بڑبڑائے

قاتل ہے نرپشاچ چھوڑا ہے خون کا
پانی، نہیں نہیں یہ کٹورا ہے خون کا

دل میں ہے تاب ضبط نہ یارا امید کا ــ چھوٹا ہے زندگی سے سہارا امید کا
صحرا میں ٹوٹتا ہے ستارا امید کا ــ رشتہ ہوا تمام ہمارا امید کا

مرنا ہے پتر شوک میں پیاسے مریں گے ہم

کل تو مرے گا آج کئے کو بھریں گے ہم

بیٹا یہاں چراغ جلائے گا اور کون — ہڈی کی گٹھڑیوں کو اٹھائیگا اور کون
کاندھوں پہ اپنے تیری کو لیجائیگا اور کون — بے تیرے عدم کی راہ دکھائیگا اور کون

منزل کی فکر صبح سے تھی شام کے لئے
بیٹے جھٹپٹے کا وقت تو آرام کے لئے

ماں باپ کی گود تھی نعمت دو جہاں — رکھا ہے کیا بہشت میں اے خلد آشیاں
تنہا ہو تم وہاں تو بے جان ہم یہاں — لیلو ہمیں بھی ساتھ اکیلے چلے کہاں

رکھو جگر پہ ہاتھ تو راحت ملے ہمیں
تم بھی رہو جو ساتھ تو جنت ملے ہمیں

کیا کہہ گئے تھے تم کہ ابھی لوٹ آؤ گے — لاکر ہمیں قریب سے پانی پلاؤ گے
گھر لوٹنے کی خیر سے خوشیاں مناؤ گے — یہ کیا خبر تھی چھوڑ کے دنیا کو جاؤ گے

واماندہ قافلوں کو مجال سفر نہیں
اے مرگ ناگہاں تجھے یہ بھی خبر نہیں

دنیا سے کوچ کھیل نہیں شیرخوار کا — ملتا نہیں نشان کہیں رہگزار کا
جز مرگ کیا علاج غم انتظار کا — بجھتا ہے اب چراغ دل داغدار کا

آئے کہاں سے لو کلیجے کے داغ میں
وہ کیا جلے گا تیل نہیں جس چراغ میں

وہ ہچکیوں میں ٹوٹ گئے زندگی کے تار — طول کمند شوق کا اللہ رے اختصار
چونکی ہوئی نگاہ میں شعروں کا تھا غبار — لیتا تھا سر زدہ آنکھ میں انگڑائیاں شرار

رقصاں شبیہ نورِ نظر آئی خاک میں
رگھوبر لئے تھے تیر و کماں دستِ پاک میں
شعلے ہوئے تھے سرد دہکتی چتاؤں کے — پر لگ گئے بہار میں اُن زریں فضاؤں کے
بکھرے پڑے تھے پھول جہاں بے نواؤں کے — غنچے کھلے ہوئے تھے وہاں ماتاؤں کے
کچھ دن کے بعد رام کا اوتار ہو گیا
دل کا چراغ گھر میں ضیا بار ہو گیا

"سیتا سوئمبر"

گزرا ہے بزمِ ہند میں ایسا بھی ایک دور — عنقا تھا راج کاج میں نام و نشانِ جور
ہوتا تو تھا چناؤ مگر نام کے بطور — راجہ کوئی تھا اور نہ پرجا کوئی بھی اور
متھلا کے تخت و تاج کی زینت جنک سے تھی
راجہ جنک تھے راج کی زینت جنہی سے تھی
رانی پتیوی تھے رہتا یا بھی بیشتر کام — ساغر تھے مہر و ماہ کے عیش و طرب کے جام
سیراب سوچ نور سے یکساں تھے خاص و عام — تھی کثرتِ بہار سے جنت بزیرِ گام
دکھلا پڑا جو آئی گھڑی امتحان کی
چلتا تھا ہل جنک کا نکل آئیں جانکی
جان آئی نیم جان میں کہ روشن ہوا چراغ — کافور تیرگی تھی طبیعت تھی باغ باغ
اُڑتے تھے آسمان پہ ذروں کا تھا دماغ — ڈھونڈے سے بھی غبار کا ملتا نہ تھا سراغ

ابرِ بہار ناز سے چلتا تھا جھوم کر
رقصاں تھی موج بحر میں ساحل کو چوم کر

رشکِ حیاتِ خضر ہیں ایامِ انفصال　　ورنہ پلک جھپکتے گزرتے ہیں ماہ و سال
دم میں حجابِ بدر ہوا خنجرِ ہلال　　کیا کیا فروغِ حسن سے متھلیش تھی نہال

برقِ جمال و نور تھی سیتا کے روپ میں
پنہاں تھا شعلۂ گلِ خورشید دھوپ میں

ودیہی ایک روز اٹھا لائیں ناگہاں　　اک ہاتھ میں پہاڑ سی شیو جی کی کماں
ہوتا تھا پائے ناز پہ خم قوسِ آسماں　　حیراں ہوئے ودیہہ لی دیکھا جو یہ سماں

ہنس کر کہا کہ اس کو جو لے دست جھکائیگا
جمال سے فروغ سوئمبر میں پائیگا

کچھ دن میں دھوم دھام سے وہ دن بھی آ گیا　　متھلیش نندنی کا سوئمبر رچا گیا
متھلیش کا پیام قیامت سی ڈھا گیا　　مایوسیوں کا رنگ سرِ بزم چھا گیا

کرنے کو لاکھ زور کیا جان توڑ کر
پھرنا پڑا ہر اک کو مگر ہاتھ جوڑ کر

اپنا سا منہ لئے ہوئے تکتے رہے بلی　　شو کی کڑی کمان کسی سے نہ جب ٹلی
بیکل ہوئے ودیہہ کی مرجھا گئی کلی　　تجویزوں کی آڑ میں تیغِ زباں چلی

سب سورما ہیں ہیں مرد میداں کوئی بھی نہیں
پورا کرے جو عہدِ گراں، کوئی بھی نہیں

خاموش لکشمن سے نہ دم بھر رہا گیا　　سنتے ہی یہ کلام انہیں طیش آ گیا

بولے کہ کیسکو دیکھ کے ایسا کہا گیا　　پھوٹیں وہ کان جن سے یہ طعنہ سنا گیا
مجبورِ احترام ہوں ورنہ دکھاؤں میں
پھونکوں سے اس کمان کے ٹکڑے اڑاؤں میں
ایسے ہوں تو سو چاہوں تو پل بھر میں توڑ دوں　　یہ کیا منشیوں کی کلائی مروڑ دوں
تحت الثریٰ سے فرقِ سما کو جوڑ دوں　　ارض و سما کو بیچ سے دو کر کے چھوڑ دوں
شنکر کی یہ کمان تو ہے کس شمار میں
شیروں کے دانت توڑ دیے ہیں کچھار میں
بپھرے ہوئے تھے مالکِ دوراں کے سامنے　　ٹھنڈا کیا لکھمن کو اشارے سے رام نے
کھینچے وہ دھنش کو ہاتھ میں تنکا سا تھامنے　　دو کر دیے لچا کے یونہی شاد کام نے
سیتا نے پیشکش میں نگاہِ جمال دی
بڑھ کر گلے میں رام کے ورمال ڈال دی

پھیلی ہوئی افق پہ تھی رنگیں شفق تمام　　مہکی ہوئی فضا میں بسا تھا سکوتِ شام
سکھیوں کے ساتھ جھومتی جاتی تھیں نیک نام　　مڑ مڑ کے دیکھتی ہوئی پیچھے بہ دمِ خرام
بلبل کی مستیاں تھیں یہ گویا بہار میں
غنچوں کے منہ سے پھول جھڑے لالہ زار میں
لڑتی تھی آنکھ تیری چلتی تھیں پتلیاں　　غنچے سے خار کھا کے الجھتی تھیں تتلیاں
ہوتی تھی چھیڑ چھاڑ چمکتی تھیں بجلیاں　　چھاؤں سی چونک چونک کے اٹھتی تھیں بدلیاں
نظریں اٹھیں ادھر ادھر آنچل سرک گیا

بادلوں کی اوٹ میں مہِ کامل ٹھٹھک گیا

بولیں سہیلیاں کہ سیانی بہک گئیں آنکھوں میں دھول جھونکنے کی نادانیاں ہیں

چتون میں ہے کٹار تو لب پر نہیں نہیں آنکھیں کہیں ہیں دھیان ہے کہیں پاؤں ہیں کہیں

چپکے سے مسکرا کے کہا گلعذار نے

آنچل پکڑ لیا ہے نسیمِ بہار نے

کیسی کھٹک ہے دل میں کہیں کچھ چبھا نہ ہو اڑ کر ہوا سے آنکھ میں ریزہ گرا نہ ہو

ٹوٹی ہوئی کمان کا تنکا پڑا نہ ہو تلووں میں آ کے دیکھ لو کانٹا لگا نہ ہو

مرتی ہوں میں بلا سے تمھاری مزا کروں

سنتا نہیں ہے کوئی بتاؤ تو کیا کروں

سینہ پہ ہاتھ رکھ کے کسی نے کہا "اوئی" سینک جگر کی چوٹ نہ دو کان میں روئی

ہونٹوں پہ سب کے آئی ہنسی کھلتی ہوئی سمٹا ہوا تھا سروِ رواں یا چھوئی موئی

دس منہ سے ایک جان ہوئی بھڑ کے لاجواب

لی جس کی آڑ اسی سے یہ الٹا ملا جواب

دل پیر لگا ہے تیر یہ کانٹے کو چھوڑیئے گر توڑنا ہیں پھول تو پھلواری سے توڑیئے

ٹوٹی ہوئی کمان سے ناتا نہ جوڑیئے ہیں پشت پر جو رام تو گردن نہ موڑیئے

گلشن ہوا اجاڑ جو گلفام چل دیئے

سایہ کی طرح چھپتے ہوئے رام چل دیئے

راون چھپا کھڑا تھا کہیں انتظار میں لرزاں تھی اک امید دلِ داغدار میں

چاہا کہ بڑھ کے چاند کو لپٹے کنار میں رکھنا ہی چاہتا تھا قدم رہگذار میں

بجلی سی پلٹش ابر چمک کر نکل گئی،
بیٹھے بٹھائے رام سے تلوار چل گئی،

"رام بن باس"

ضو پاش جا بہ سمت تھا وحدت کا اب چراغ — آئینہ جمال تھے قلب و جگر کے داغ
کلیاں تھیں موج برق تبسم سی باغ باغ — کھلتے ہوئے تھے پھول کہ جلوے دکھا رہا باغ

شام اودھ پہ صبح بنارس نثار تھی
دنیائے رنگ و نور سراپا بہار تھی

تکمیل علم و فن سے ہوئے شاد کام رام — محلوں میں ان کے راج تلک کا تھا اہتمام
اس حسن انتخاب میں مطلق نہ تھا کلام — مسرور با کمال تھے بشاش تھے عوام

تھی فکر کیکئی کو کہ صدقہ اتار دے
چاہا کہ منتھرا کو جواہر کا ہار دے

بدلا ہوا تھا آج مگر منتھرا کا رنگ — کھلنے تھا بات بات میں مکر و ریا کا رنگ
جمنے لگا فریب حرص و ہوا کا رنگ — اڑتا تھا اب غبار کی صورت وفا کا رنگ

بولی تلک کے ہار علامت ہے ہار کی
تقدیر سو گئی بھرت نامدار کی

دھونا پڑیں گے ہاتھ انھیں تخت و تاج سے — بن کر فقیر بھیک سی مانگیں گے راج سے
دوزخ بھریگا پیٹ کا کس کے اناج سے — رانی نہیں ہو تم بھی تو چیری ہو آج سے

راجہ ہوئے ہیں رام تو داسی کو کیا خوشی
امرت کی جھڑی لگے بھی تو پیاسی کو کیا خوشی

اپنا نہیں ہے پیٹ کا جایا ہی سوت کا — یہ بھی خبر ہے پوت پرایا ہے سوت کا
اپنے کو کس نے دودھ پلایا ہی سوت کا — ہونی نے آج مان بڑھایا ہے سوت کا

راجہ نے تم سے یاد ہے ہاری ہیں تین قول
منھ کھول کر کہو کہ ہمارے ہیں تین قول

چودہ برس کا رام جو بن باس پائیں گے — باسی اجودھیا کے انھیں بھول جائیں گے
آخر بھرت کو مار کے راجہ بنائیں گے — کیسے رچائی جاتی ہے محفل دکھائیں گے

آئیں گے دن ضرور پھر اپنی بہار کے
تو نقد سے بُرے نہیں تیرہ اُدھار کے

کہتا ہے آئینہ کہیں منہ دیکھی روبرو — پانی میں اپنا عکس جھلکتا ہے ہو بہو
طینت اگر بُری ہے تو کیا حاجت عدو — ہر آئینہ بُروں کے بُرائی ہے روبرو

دل میں تھا کیکئی کے جو کہتی گئی منتھرا
سایہ کی طرح گھات میں رہتی تھی منتھرا

پاتے ہی بدنصیب نے خود کام کی رضا — دشرتھ کو جا کے موت کا پیغام دے دیا
اقرار کی مجال نہ انکار کی تھی جا — پانی تمام دل کی امنگوں پہ پھر گیا

سوجھا نہ کچھ جواب تو خاموش ہو گیا
گلشن کی جستجو تھی بیاباں میں کھو گیا

طرفین سے پیام جو آئے گئے کئی — کھلتی گئیں فساد کی راہیں نئی نئی

شیطاں کے بس میں آ گئی قسمت سے کیکئی
پھولی ہوئی سی کوپ بھون میں چلی گئی
دشرتھ زبان دے کے پھنسے تھے عذاب میں
غرقاب تھی امید کی کشتی سراب میں

کرنا پڑا چراغِ نظر کو جلا وطن
تازہ ہوا برنگِ دگر پھر غمِ کہن
تدبیر اشکبار تھی تقدیر خندہ زن
سر پیٹتے تھے اپنی تباہی پہ مرد و زن
منھ تک رہے تھے عالمِ حسرت میں رام کا
جوڑا نمودِ صبح نے بدلا تھا شام کا

ماں باپ سے جدا ہوئے سونے ہوئے وطن
نقشِ قدم پہ رام کے سایہ ہوئے لکھن
کوشلیا کے لب پہ تھے ٹوٹے ہوئے بچن
سیتا کی چشمِ شوق میں گھر ہو رہا تھا بن
قدموں پہ کیکئی کے جو پڑنا تھا رام کو
دل میں ذرا تھا میل نہ چتون پہ نام کو

وہ جیت آئے عشق و محبت کے معرکے
سیتا کو تکتے رہے سُدھ بُدھ بسار کے
کرنے کو تھے سپرد غمِ انتظار کے
مہکا دیئے نگاہ نے غنچے سے پیار کے
بولے ۔۔ اٹھے نہ پاؤں کہیں ماں کے پاس سے
جنگل بسا رہے گا محبت کی باس سے

ٹھنڈی پڑیں نگاہ سے تھرائیں جانکی
منہ پھیر کے بھی ضبط نہ کر پائیں جانکی
یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کے گھبرائیں جانکی
رام اور لکھن کے بیچ میں خود آئیں جانکی
چتون سے دل کی بات اشارے میں تاڑ لی
بولیں سنبھل کے کس لئے ماتا کی آڑ لی

باتوں سے دل کی باگ کو موڑا نہ جائیگا   سایہ سے ساتھ دھوپ کا چھوڑا نہ جائیگا
رشتہ بلائے مرگ سے توڑا نہ جائیگا   اب بھی کہیں گے آپ کر جوڑا نہ جائیگا

ہوتا ہے انحراف جو قول و قرار سے
بیڑا لگے گا پار یہ منجھد کی دھار سے

جانا ہے گر ضرور تو میں پہلے جاؤنگی   جنگل میں رام نام سے منگل مناؤنگی
دیکھوں گی ورنہ منہ نہ کسی کو دکھاؤنگی   خاکِ قدم پہ پھوڑ کے سر موت پاؤنگی

لچھمن سنے تو رام بھی خاموش ہو گئے
گھیرے میں لے کے چاند کو روپوش ہو گئے

جانے تھے رام تیر سے تھامی ہوئی کماں   دشرتھ کی دستگیر تھی اب مرگِ ناگہاں
تالو سے لگ کے رہ گئی سوکھی ہوئی زباں   تکتی تھی بُت بنی ہوئی کوشلیا سی ماں

تصویر نا چتی ہوئی دیوار و در پہ تھی
حسرت بھری نگاہ مگر رہگذر پہ تھی

جب باپ کے وصال کی پہنچی انہیں خبر   ماموں کے گھر سے چل کے بھرت آئے اپنے گھر
کرتوت ماں کی سنتے ہی دُشمن ڈالا اپنا سر   سرجو کی سمت دوڑ پڑے غم میں ڈوب کر

سرجو تھا سر بخاک بھرت اشکبار تھے
پتلے جمال و نور کے سرجو کے پار تھے

چڑھ کر کہا نشاد نے کشتی کو کھول دوں   بیڑا اگر ہو پار تو سونے سے تول دوں
جانے نہ پائیں رام تو منہ مانگا مول دوں   کچھ اور چاہتا ہے تو جلدی کر بول، دوں

چونکا اس اضطراب سے انسان تھا نشاد
کچھ اتنی کشمکش تھی کہ حیران تھا نشاد

بولا کہ قصد کیا ہے ارادہ کدھر کا ہے　　آیا ہے کوئی ساتھ نہ ساماں سفر کا ہے
کیا طرفہ اجتماع یہ شام و سحر کا ہے　　دامن میں آفتاب کے جلوہ قمر کا ہے
خالی نہیں فساد سے یہ طور دیکھئے
کشتی کی ہے تلاش تو کچھ اور دیکھئے

بیٹھے پڑے ہیں آپ بھی ماہ تمام کے　　آئیگا کچھ نہ ہاتھ تعاقب میں رام کے
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ کھیون کو غلام کے　　پیاسے ہیں آج صبح سے آثار شام کے
پانی میں عمر بھر کی کمائی نہ جائیگی
خشکی میں اب یہ ناؤ چلائی نہ جائیگی

گھبرا کے جب بھرت نے کہا کر یہ فضول　　ڈھلنے سے آفتاب پہ پڑتی نہیں ہے دھول
میں ہوں غلام رام کا قصہ کو دے نہ طول　　سنکر کہا نشاد نے محنت ہوئی وصول
جھپکی ابھی تھی آنکھ کہ ساحل کو پا لیا
رگھوبر نے سر پھروں کو گلے سے لگا لیا

چھو کر چرن بھرت نے کہا دیر کیا ہے اب　　پھرتے ہی پیٹھ دیکھئے کیسا ہوا غضب
آنکھیں پتا کی مند گئیں پلٹا ہے کیا یہ ڈھب　　ماں نے کیا ہے آپ کو فوراً وہاں طلب
ہے راج پاٹ آپ کا گدی ہے آپ کی
تکمیل اسکی اب ہو جو مرضی تھی باپ کی

بولے لرز کے رام کہ اب ہم نہ جائیں گے　　ہر حال میں پتا کے بچن کو نبھائیں گے

بن میں انھیں کی یاد میں دھونی رمائیں گے   منہ اس طرف کریں گے تو کیا منہ کی کھائیں گے
بے بس ہوئے بھرت تو بس پادو کائیں دیں
رخصت کیا تپاک سے بلا کر دعائیں دیں

"سیتا ہرن"

آئی تھی آفتاب کی کشتی کنارِ بام   جلوہ نگیں رنگ و نور کے ڈوبی ہوئی تھی شام
چڑھتا تھا چاندنی کے سہارے مہِ تمام   بن باسیوں کا قافلہ اترا پئے قیام
بکھرے ہوئے تھے پھول ستارے جڑے ہوئے
صحرا میں تھے بہار کے جھنڈے گڑے ہوئے

اک روز مہر و ماہ تھے جلوہ فگن بہم   روحِ بہارِ خلد تھی زینت دہِ ارم
پاسِ ادب سے پاؤں پہ چرخِ بریں تھا خم   موجِ نسیمِ صبح کا اٹھتا نہ تھا قدم
دیکھا اٹھا کے آنکھ تعجب سے رام نے
کالی گھٹا سی شورپ نکھا آئی سامنے

آنکھیں تھیں سرخ سرخ کہ تھے شعلہ ہائے نار   تھا دوزخی کا پیٹ کہ شیطان کا مزار
قالب تھا صرف ایک مگر عیب تھے ہزار   یعنی بدی کی شکل میں لعنت تھی آشکار
الٹے توے پہ ناک تھی اوندھی پڑی ہوئی
بتی سے منہ پہ بھاڑ سی چمنی گری ہوئی

آتی نہ تھی قریب ہوا تک حجاب کی — پتلی سی ناچتی تھی یہ پتلی عذاب کی
اُڑتی تھی بال بال سے بدبو شراب کی — ہستی غرض پلید تھی کرتوں شباب کی

ہنستے ہوئے زبان جو تولی ادا کے ساتھ
تیر نظر چلا کے وہ بولی ادا کے ساتھ

تم سا نہیں جو شوہر تو مجھ سی کہاں ہے حور — اپنی جگہ پہ خوب ہیں دونوں ہی شمع نور
قدرت کے ہیں یہ کھیل مقدر کا ہے قصور — آغوش کامیاب کرو دل ہیں ذور ذور

کب تک غم فراق کے صدمے سہو نگی میں
سیتا کو اب نکال کے گھر کو رہونگی میں

پلٹی نہ تھی نیام میں تیغ زباں ابھی — چھیٹے بھڑک کے شعلہ صفت لکشمن جتی
منہ پہ ذرا کٹار اچھلتی ہوئی پڑی — کچھ ظلمتیں تھیں فقط ناک صاف تھی

نکٹی تھی رنگ روپ میں اپنی مثال آپ
آیا گہن میں نیر حسن و جمال آپ

کوٹی کٹا کے ناک لٹی اس طرف گل کھلا — لنکا میں آگ لگ گئی کہرام مچ گیا
راون کی ناک کٹ گئی ہر کس یہ کیا ہوا — شعلوں کو انتقام کے جذبے نے دی ہوا!

پہلو بھی خوشی کا تھا حزن و ملال میں
چڑیا پھنسائی جائیگی سونے کے جال میں

ظالم نے کی بھبھوت کچھ اسطرح زیب تن — خاکہ بھبھوت کا کہ کبوتر کا تھا بدن
اُڑتا تھا ذور ذور بدامن سے پیرہن — چولا نیا بدلکے تھا یہ بیچ خندہ زن

سودا اسیر غرور میں سیتا ہرن کا تھا

ماریچ کا سروپ سراپا ہرن کا تھا

راون تھا ڈال ڈال تو ماریچ پات پات — جاتا تھا مارتا ہوا اسپ ہوا کو لات
سونے کا مرگ دیکھ کے شیدا تھی شش جہات — پیچھے پڑی غبار کی دنیائے بے ثبات

ہونے کو تھا ہرن کی بدولت سیا ہرن
پھیروں کٹی کے سامنے اچھلا کیا ہرن

سونے کا جانکی نے جو دیکھا نہ تھا ہرن — حیرت سے تاکتی رہیں للچا کے سیمتن
لیکن رہ گئی مرگ زباں پر تھا یہ سخن — مجبور رام بھی تھے کچھ ایسی لگی لگن

رگھوبیر ہرن کے پیچھے روپوش ہو گئے
سیتا کے اس پکار سے اوسان کھو گئے

دوڑو مجھے بچاؤ لچھمن ہائے میں مرا — لیکن یہ وقت نزع تھی ماریچ کی صدا
سیتا کو کیوں بچانے مگر وہم ہو گیا — چھل سے قضا کا تیر نشانہ پہ جا لگا

متھلیش نندنی نے کہا جلد جا لچھمن
کہتا تھا کون صاف چلو تم مرا لچھمن

لچھمن تمھیں پکارتے ہیں وہ غضب ہوا — دشمن یہ ان کے بن میں نہ لوٹے کوئی بلا
اس کان سے اڑا دیا اس کان سے سنا — بھائی نہیں قصائی ہو تم دیکھتے ہو کیا

دل میں تمھارے چور ہے نیت میں پاپ ہے
سمجھو اگر تو بھائی بھی رتبہ میں باپ ہے

لچھمن نے کانپتے ہوئے فوراً دیا جواب — آنکھیں ملائے رام کی کس میں ہے اتنی تاب
منھ آئیگا جو رام کے ہوگا وہی خراب — چھوڑیں یہ وہم آپ نہ دل میں ہو اضطراب

آتے ہی ہونگے رام ذرا صبر کیجئے
مجھ سے غلام پہ تو یہ نہ جبر کیجئے

دیکھی کڑی نگاہ تو گھبرائے لکشمن — ہوئی تھی، رعب داب میں کیا آئے لکشمن
طعنوں سے بار بار کے جھنجھلائے لکشمن — لب پر ادب سے اب یہ سخن لائے لکشمن
قرباں لکشمن ہزار دل ہوں۔ اس ہٹ پہ آپکی
آئے کسی کا پیر نہ چوکھٹ پہ آپ کی

ہاں بدگماں ہیں آج کہ بجنے لگے ہیں کان — پھٹتی نہیں زمین نہ ہلتا ہے آسمان
میں کھینچتا ہوں تیری سو کنڈلی کا اک نشان — دینا پڑیگا ضبط و تحمل کا امتحان
باہر نکل کے پاؤں نہ اس سے جو آئے گا
تیرے جتی کا تیج ستی کو بچائیگا

یہ کہہ کے لکشمن تو ہوئے باد وش رواں — بانے میں اب فقیر کے لنکیش تھا عیاں
شعلے تھے سدِ راہ نکالے ہوئے زباں — بولا پلٹ کے ڈر کے اے جانِ دو جہاں
ہرچند خود سوال ہے صورت فقیر کی
ناداں مگر فقیر بھی ہے لکیر کی

بھوکا ہوں میں جو پیٹ کا لوکا بجھائیگی — تیرے پتی پہ آنچ بھی آنے نہ پائیگی
پل بھر ہوئی جو دیر تو ساعت وہ آئیگی — بیٹھے بٹھائے جان شکاری کی جائیگی
کنڈلی سے تلملا کے نکل آئیں جب جانکی
ہر لی گئیں جو بن میں تو پچھتائیں جانکی

وہ شکل صدا کے بجھ گیا جب ہی مکان پہ — آیا زمیں کا چاند نظر آسمان پہ

چاہا کہ کھیل جائے ستی اپنی جان پر دیکھا کہ ہاتھ رام نے ڈالا کمان پر
ڈالی نگاہ عرش پہ راہِ تمام نے
شمشیرِ آبدار اُگل دی نیام نے
تائیدِ دستِ غیب تعاقب میں تھی رواں ناگاہ راہِ کذب میں حائل ہوا جٹواں
ٹکرا گیا وہاں کہ تھرّایا آسماں ٹوٹی بہ رنگِ برقِ تپاں مرگِ ناگہاں
زخموں سے روسیاہ کو گلفام کر دیا
اک مشتِ پر نے ہو کے فنا نام کر دیا

"سیتا جی کی کھوج"

مجبور ہوا کو کر نہ سکے رام جب اسیر مارا ہرن کی ران میں مجبور ہو کے تیر
اب اپنے اصل روپ میں ظاہر ہوا شریر پردرد زباں پکارا ہائے لکھمن بہ دمِ اخیر
سمجھاتے دل میں رام جو خود آ گئے لکھمن
مایا کا بھید دیکھ کے گھبرا گئے لکھمن
رگھوبر لکھمن کے ساتھ بمشکل کٹی میں آئے دیکھا جو رنگ اور تو لب پر سخن یہ لائے
بھولا ہو گر بشر تو اسے راہ پہ لگائے قسمت میں لکھ چکا ہو تو کیونکر کوئی بچائے
کھوئے ہوئے کو راہ دکھاتی ہیں چڑیاں
دکھن کی سمت ہاتھ اٹھاتی ہیں چڑیاں
رگن گگن کے تیری راہ میں تارے بچھاؤں گا نقشِ قدم پہ عرش کے سہرے جھکاؤں گا

انگلی پہ شش جہات کو الٹا نچاؤں گا
پھر اشتیاق دید کا سکہ جماؤنگا
کہہ دے تو ہی پکار کے سیتا کدھر گئی
مانند جیسے آب چڑھی یا اتر گئی

آنکھیں ہیں فرش راہ غم انتظار میں
بجلی تڑپ رہی ہے کف لالہ زار میں
آئینۂ جمال ہے پنہاں غبار میں
جی چاہتا ہے آگ لگا دوں بہار میں
سائے کی جستجو میں کہیں کا جا رہا ہوں میں
چٹکی میں آفتاب لئے آ رہا ہوں میں

حسرت سی تاکتے ہوئے نکلے کٹی سے رام
زخموں سے چور چور جٹایو تھا زیر گام
رکھو بر کے پاؤں چوم کے بولا یہ نیک نام
لنکا کے راکشس کا حقیقت میں ہے یہ کام
سیتا ضرور ساتھ مگر دم نہیں ہے اب
الیس یہ آپ آئے ہیں کچھ غم نہیں ہے اب

دنیائے بے ثبات سے منہ موڑتا ہوں میں
سیتا پتی کے پاؤں پہ دم توڑتا ہوں میں
ٹوٹے ہیں گرچہ ہاتھ مگر جوڑتا ہوں میں
پنجرے کو آشیاں کیلئے چھوڑتا ہوں میں
یہ کہہ کے سرو شعلۂ مہر و وفا ہوا
تھا چشم التفات میں دریا چڑھا ہوا

جنت اہلیا کو جگاتے ہوئے چلے
پتھر کی مورتی کو بلاتے ہوئے چلے
عرش بریں جبیں کو بناتے ہوئے چلے
گوتم رشی کا مان بڑھاتے ہوئے چلے
رکھے تھے جھوٹے بیر جو شبری نے سامنے

کھائے بڑے تپاک سے گن گن کے رام نے

بالی کے ظلم وجور سے سگریو تھا تباہ　　اب اس سے بہرہ یاب تھے بڑھ کے مہر وماہ
مانی ہوئی ہے بات کہ ہر دل کو دل سے راہ　　اپنا سا حال دیکھ کے کی مہر کی نگاہ
سگریو سرفراز ہوئے اذنِ جنگ سے
افعی جان توڑ کے لپٹا نہنگ سے

بالی میں یہ کشش تھی کہ دشمن کا نصف زور　　ہو سامنے تو اس میں کھنچ آئے برنگِ مور
ظاہر میں تھی وہ آن نہ تھا جس کا اور چھور　　باطن کا تھا کثیف کہ تھا اسکے دل میں چور
دریا گرا زمیں پہ اُلجھ کر پہاڑ سے
مارا ستم شعار کو رگھوبیر نے آڑ سے

بالی کا ایک بان میں قصہ ہوا تمام　　راون سے اب جٹایو کا لینا تھا انتقام
بجتا تھا طبل تیغ کھٹکتی تھی صبح وشام　　لشکر کا دھوم دھام سے ہوتا تھا اہتمام
مصروف پل کی فکر میں نیل اور نل ہوئے
پانی پہ تیرتے ہوئے پتھر اٹل ہوئے

کپی راج بہرِ جنگ تھے باندھے ہوئے کمر　　لنکا کی جستجو میں چلے صورتِ شرر
اِک جست بھر کے آئے نظر آسمان پر　　سرسا تھی سدِ راہ بیک جنبشِ نظر
ہلکے پہ ہاتھ جھاڑ کے بانر سے بھڑ گئی
پہلے ہی مورچے پہ عجب جنگ چھڑ گئی
جھپٹی کہ شیرِ نر کو نگل جائے پیر زن　　منہ پھیلتا گیا یہ بڑھاتے گئے بدن

دونوں نے جوڑ توڑ میں سو سو کیے جتن جب بڑھ کے آفتاب کا ہالہ ہوا وہن
بجرنگ خود سمٹ کے کچھ ایسے بدل گئے
نتھنے میں جا کے حلق سے باہر نکل گئے
اس بہترے سے کام کسی طرح چل گیا آئی نہ جب گرفت میں اڑتی ہوئی ہوا
سالے ہر آن کی جانکنی دی رضا اک دم زدن میں بادل سمندر کے پار تھا
تھا شور صبح باد کہ بجرنگ آ گئے
سیتا کو ڈھونڈتے ہوئے لنکا پہ چھا گئے
چونکی ہوئی نگاہ پڑی اک مکان پر دیوار شق تھی صورت آغوش وا تھا در
یہ بھید کھل گیا کہ وبھیشن تھے باخبر دیکھا کہ فرش راہ ہے بھکتی میں چشم تر
بولے پکڑ کے ہاتھ کہ یہ وہ غلام ہے
بیٹھا ہوں لو لگائے ہوئے رام نام سے
لنکا کے تاجدار کا بھائی ضرور ہوں سائے سے اس کے گر سمجھ کر نفور ہوں
معتوب ہوں ہزار مگر بے قصور ہوں جلتا ہے جی کہ رام کے قدموں سے دور ہوں
کہہ دیں اشوک بن میں اسیر الم ہیں ماں
ترک وفا محال ہے ثابت قدم ہیں ماں
پیمان ربط و ضبط جو باہم دگر ہوئے مبہم سے کچھ کنائے سپرد نگاہ ہوئے
دامن وفور شوق میں اشکوں سے تر ہوئے باہیں گلے میں ڈال کے تسبیح و شکر ہوئے
پردے میں تھی جو بات، تھی راز و نیاز کی
راہیں کھلیں تمام نشیب و فراز کی

بچھڑنا کی نگاہ میں تھا اب اشوک بن — جلتے تھے مثلِ بادِ چڑاتے ہوئے بدن
رکھ کر جگر پہ ہاتھ جھجکتی تھی نالہ زن — گویا تھا چال ڈھال میں تلوار کا چلن
کانٹے بھی اب تھے پھول عقیدت کی راہ میں
تارے الجھ کے رہ گئے دامِ نگاہ میں

"لنکا دھن"

چھائی تھی آسمان پہ رنگینیٔ چمن — چھپتا تھا ماہتاب سے جلووں کا پیرہن
لوٹے ہوئے تھی سطر میں جیسے نئی دلہن — سیتا کے دم سے رشکِ ارم تھا اشوک بن
منہ پر لئے تھا دامنِ ابرِ بہار چاند
اڑتی ہوئی گھٹاؤں میں لگتے تھے چار چاند
لنکا پہ ابرِ تر سے جو ان کی گئی نظر — سمجھیں ادھر نریش کا آیا پیامبر
بکھرا کے ہونٹ پر برقِ تبسم لئے جھوم کر — پھر چشمِ اشکبار سے اڑنے لگے شرر
تصویرِ حسن نور کے سانچے میں ڈھل گئی
سورج مٹے بہار تھی آئی نکل گئی
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولیں نہیں نہیں — دیکھو کا ہے سب نگاہ کا کوئی کہیں نہیں
زہرہ ہے چاہِ عشق سے انگبیں نہیں — طولِ غمِ فراق جواں ہے حسیں نہیں
سنتی تھیں گاہ گاہ تڑپتی تھیں خاک پر
رکھتی تھیں ہاتھ دل کے دلِ چاک چاک پر

لگتی تھی دل پہ چوٹ سی یادِ حبیب سے ‏ ‏ ممکن نہ تھا حجاب بھی فرقت نصیب سے
بجرنگ چھپ کے دیکھ رہے تھے قریب سے ‏ ‏ چھٹنے لگا جو ضبط کا یارا غریب سے
دامن اٹھا کے ڈال لیا روئے پاک پر
سایہ ہوا سے پھیل گیا فرشِ خاک پر

ٹھٹکیں زمیں میں شرم سے سرو رواں گڑیں ‏ ‏ جوشِ جنوں میں وہم نے وہ صورتیں گھڑیں
اڑتی ہوا سے ٹوٹ کے جی دو بدو لڑیں ‏ ‏ سائے پہ مثلِ ابر امڈ کر برس پڑیں
راہِ وفا میں جور و جفا کی کمی نہیں
سرسوں ہتھیلیوں پہ جمائے جمی نہیں

قائم ستی کے دم سے ہے دنیائے قیل و قال ‏ ‏ سیتا کا ست ڈگائے بھلا کس کی یہ مجال
ستی میں درج بادلوں سے تھا نشا محال ‏ ‏ پھیلا ہے سیلِ نور پہ مکر و ریا کا جال
سائے کے ساتھ ہی لچھمن جتی کی آن
لوٹے گی صرف خاک میں مل کر ستی کی آن

جھک کر ادب سے پاؤں پہ بجرنگ نے کہا ‏ ‏ ماتا نہ ہوں نڈھال برا وقت ٹل گیا
پل بند ہو رہا ہے کوچ کا سامان ہو چکا ‏ ‏ اب آئے رام خاک میں لنکیش اب ملا
دنیا کی فکر چھوڑ کے بھگوت کا نام لیں
یہ ہاتھ اٹھا کے بیٹھیں مری رام رام لیں

آنکھوں سے جانکی جی نے ابھی منہ لگائے ‏ ‏ بچھ بچھ کے دونوں ہاتھ ہنومان کی اٹھائے
آشیرواد لے کے بعجلت قدم بڑھائے ‏ ‏ پیڑوں کو روندتے ہوئے محلوں کو روند ڈالے
لرزی بنا و بام جو سونٹوں کی لی خبر

لوگوں نے دوڑ بھاگ کے راون کو دی خبر

بانر بھی کیا بلا ہے کہ چلتا نہیں ہے بس | دلمیں ذرا ہے خوف نہ مطلق ہے پیش وپس
توڑا ادھر علم تو گرایا ادھر کلس | ہوتا نہیں مقام سے اپنے وہ ٹس سے مس

بولا ستم ظریف کہ گردن نہ مروڑ دو
لو کا لگا کے پونچھ میں بانر کی چھوڑ دو

بجرنگ کو تھا رام کی لطف و کرم پہ ناز | حکم سزا پہ دلمیں ہنسے ہو کے سرفراز
شعلے ہوئے بلند تو دم بھی ہوئی دراز | جھکڑ کی باد ہو سے بلا یا ہوائی ساز

سونا چمکا کہ ایک چتا سی بھڑک اٹھی
دوزخ کے پیشواؤں کی چھاتی دھڑک اٹھی

نکلے تھے اپنی دھن کے دھنی بانٹ کر بلی | چاروں طرف یہ آگ لگا کر اڑے بلی
ساگر میں اپنی پونچھ بجھا کر چلے بلی | سینا میں آئے دھوم مچاتے ہوئے بلی

انگد کے ہاتھ صلح کا بھیجا گیا پیام
لیکن ادھر سے جنگ کا آتا رہا پیام

"چڑھائی"

تھے دیدۂ سپاہ میں دشمن مرے ہوئے | بیٹھے تھے سب غبار کی صورت بھرے ہوئے
۶ لڑنے کے راہ دوستی سے جب مشورے ہوئے | پی کر لہو کے گھونٹ کلیجے ہرے ہوئے

چھڑنا تھی جس سے جنگ وہ سامان ہو گیا

پھر سپاہ کوچ کا اعلان ہو گیا

کھینچی کسی نے تیغ کسی نے لیا علم — پیکِ اجل تھا تیر کماں رہبرِ عدم
گھوڑے اڑائے تاؤ میں کھائے ہوئی قسم — راون کا ایک ہاتھ میں کرنا ہے سر قلم
آندھی سی فوج رام کی لنکا پہ چڑھ گئی
لاکھوں کو مار کاٹ کے میداں میں بڑھ گئی

گل پیرہن بہ رنگِ چمن زار تھے لکھن — آنکھوں میں دشمنوں کی مگر خار تھے لکھن
سب سے تھے پیش پیش کماندار تھے لکھن — اس پار تھے ابھی، ابھی اُس پار تھے لکھن
کھیلی سرِ عدو پہ جو تلوار رام کی
گونجی بساطِ دہر میں جھنکار رام کی

مارا کمر کا ہاتھ ادھر، دھڑ اُدھر گیا — جس کو زمیں دکھائی دی عرش پر گیا
نیزہ کا بند بند نہ سنکا تھا کہ سر گیا — دریا چڑھا تھا سو دمِ تیغ کا اتر گیا
اڑتی تھی تیغ تیز لہو چاٹ چاٹ کر
مچھلی سی تیرتی تھی سمندر کو پاٹ کر

ہونے کو شہسوار تھے لنکا میں بے حساب — ایک ایک کر کے کھیت رہے خانماں خراب
اُبھرے اُبھر کے بیٹھ گئے صورتِ حباب — کھردوشن اور کمبھ کرن پیشِ آفتاب
سرخ و سفید تیغہ خونبار ہو گیا
خیلِ عدو اس آگ میں فی النار ہو گیا

"پاتال وجے"

روزِ سیاہ فام تھا آئینہ در نقاب
ہوتی تھی جوئبار پسینہ سے آب آب
بھڑکائی برقِ حسن پسِ پردۂ سحاب
ہونا پڑا شباب کو شرمندۂ حجاب
اتری شعاعِ مہرِ جہاں تیر کی طرح
چمکی تڑپ کے آنکھ میں شمشیر کی طرح

لہرا رہے تھے فوجِ ظفر موج کے علم
پلٹا کنارِ بحر سے دریائے یاس و غم
سلطانِ غرب شرق کی جھک کر لگے قدم
اٹھا سرِ ہلال تو یکسر ہوا قلم
دیکھا جو نصب خیمۂ زرّیں حضور کا
رُخ آسماں کی سمت تھا سیلابِ نور کا

تھا گرم سرد پڑ کے بھی میدانِ کارزار
لو دے رہی تھی آتشِ بے دود کی شرار
جھلسی ہوئی زمیں کا اُترا نہ تھا غبار
چھرنیاں کی گرد تھی تپتا ہوا غبار
آتے نہ تھے نظر گل و گلزار دور تک
عنقا تھے برگ و بار کے آثار دور تک

جوالا مکھی زمیں تھی تہِ بحرِ بیکراں
پگھلی ہوئی تھی آگ کہ دریا رواں دواں
ہر موج سر لپیٹ میں لپٹا ہوا دھواں
آتش بجاں شرار بکف برق در دہاں
شاخیں چنار کی تھیں رسا بامِ عرش پر
ذرّوں کے دل میں آگ سلگتی تھی فرش پر

مہکی ہوائے سرد تو لہرائے انس و جاں　　　ہر لکہ بادلوں کا بنا فوج کا نشاں
چھڑکا دُھلا گلاب کا فرحت دہ جہاں　　　اب کنوار کی بہار میں ساون کا تھا سماں
جھومی نسیم جام بہاراں لئے ہوئے
چھلکی شراب حسن گلستاں لئے ہوئے
پھرتے ہی رُخ ہواؤں کا بدلی مچل گئی　　　اُلجھا تھا جس سے دل وہ بلا سر سے ٹل گئی
وہ چار کروٹوں ہی میں دنیا بدل گئی　　　منہ پھیر کر زمین کی گرمی نکل گئی
چٹیل زمیں کی گود میں سبزہ لہک اُٹھا
کچھ ایسے گل کھلے کہ بیاباں مہک اُٹھا
آئے پلٹ کے رام لکھن سوئے مستقر　　　باندھو گئے نشان تو کھولی گئی کمر
مصروف گشت میں تھی لیکن بہت سی شیر نر　　　لشکر میں تھا محال ہوا کا بھی اب گزر
برتی نہ احتیاط یہ شیدائے رام نے
ابھرا وہیں نسیم کہ مالن تھی سامنے
پھیلا کے پاؤں نیند میں غافل ہوئی سپاہ　　　کذب و ریا کی آڑ میں دشمن نے لی پناہ
کچھ بڑھ کے روسیاہ نے دونوں سے کی نگاہ　　　شانوں پہ آنکھ دیکھے جگہ لی فلک کنارہ
اترا دمان جھوم کے پاتال لوک میں
لشکر ادھر نر کش کا ڈوبا تھا شوق میں
بجرنگ نے پلٹ کے جو خیمہ پہ کی نظر　　　آیا نظر نہ خاک تو دوڑے گئے ادھر
سمجھے کہ ہے ضرور کچھ اس میں فساد و شر　　　دیکھا تو چار پھول مہکتے تھے فرش پر
چھل دے گئی نگاہ، نظر کا فتور تھا

بیٹھے تھے خار کھائے خود اپنا قصور تھا

حیراں تھی عقل کیا ہوئی چشمِ چراغِ دیں　　گہنائے مہر و ماہ ابھی تھے ابھی نہیں
ہے دور آسمان بہت سخت ہی زمیں　　آئے اگر تو کس کے سہارے سے اہلِ کیں

گھر کا تھا ان کے بھید بھبھیکن کو تھا پتہ
درکار تھا جو ، ان سے وہ سب لگ گیا پتہ

بجرنگ جامونت کو دیکر کماں چلے　　لگنے نہ دی ہوا بھی کسی کو کہاں چلے
سیدھے ہوا پہ جھولتے سوئے جناں چلے　　قلبِ فضا کو چیر کے جیسے دھواں چلے

ڈولے ہوئے تھے آپ جو رگھوبر کی چاہ میں
ٹھہرے نہ ایک پل کو بھی اثنائے راہ میں

پاتال میں اتر کے جب آئے فلک جناب　　پچھلا پہر تھا رات کا دنیا تھی محوِ خواب
"بابا" ! ذبی زبان سے کسی نے کہا "شتاب"　　ہیں قید اندھ کوپ میں خورشید و ماہتاب

اہراون لعیم تھا اب اور آپ تھے
تنہے میں رو سیاہ کی ہر طور آپ تھے

بجرنگ پر اجل کے فرشتہ کا تھا گماں　　تالو سے اٹک کے رہ گئی صیاد کی زباں
للکار نے تھے آپ جھپکتا تھا نیم جاں　　لاتا تھا کھینچ تان کے بابا کو درمیاں

مصروف کارزار میں یوں فتنہ گر سے تھے
ظاہر ہوئے ابھی ابھی غائب نظر سے تھے

دونوں سے جوڑ توڑ سی کچ کچ کی بار بار　　آئے گئے ادھر سے ادھر صورتِ شرار
دوسری بچاکے چوٹ یہ کرتے تھے اپنے وار　　بابا کو وہ پکار کے کہتا تھا مار مار

چھل بل کے داؤں پیچ میں اُلفت نظامات کا
مایا کا جو طلسم تھا چکر نظارات کا
اِن معرکوں میں پرچمِ خورشید کھل گیا — منھ موڑ کر بلید سے مایا ہوائی ہوا
تنہا تھا یہ نہاد بگڑ و بد سے لڑا — خود آ لگا جو داؤں پہ جھٹا سا سر اڑا
باچھیں کھلیں لنکیش کی میدان جو سر ہوا
دامانِ تیغ خونِ فسوں گر میں تر ہوا
لشکر میں آئے لوٹ کے بھیر رام اور لکھن — کانٹوں کی یہ بساط تھی پھولوں کی انجمن
سایہ میں مہر و ماہ کی جلووں کی تھی پھبن — نکھری کنارِ عید میں اُمید کی کرن
جھوم جو اہلِ سینا تو تیغیں اچھل پڑیں
جامے سے اپنے ہو کے برہنہ نکل پڑیں

"شکتی بان"

تاروں کو روند تا ہوا آتا تھا آفتاب — رخ پہ کھلے تھے جو رونکے جلوے تھے بے نقاب
آہستہ میگھ ناد کی اُٹھی فلک جناب — چھائی سر عدو پہ اجل صورت سحاب
رن پر چڑھے پکار کے سینا پتی کی جے
بولی سپاہ رام نے لچھمن جی کی جے
غائب ہوئی طلوعِ سحر سے شبِ سیاہ — تانے کے تمام بند کھلی تھی عدم کی راہ
بل رکھ دیئے نکال کے جس پر پڑی نگاہ — دم بھر میں چاک چاک ہوا سینۂ گناہ

دو دو کو ایک وار میں چورنگ کر دیا
پھیلائے اس نے پاؤں اگر اس نے سر دیا

تھی سر بریدہ موت بھی برش بلا کی تھی — موج ہوائے مرگ کہ آندھی فنا کی تھی
ممکن تھا کوئی کاٹ نہ صورت دوا کی تھی — تیغ اصیل تھی کہ یہ پتلی قضا کی تھی

پنجہ پڑا جو داؤ پہ چھکے چھڑا دیئے
سر سے اتر کے پاؤں کے ٹکڑے اڑا دیئے

سنگر لوناک تاک کے برسا رہی تھے تیر — دشمن تمام دام اجل میں ہوئی اسیر
حلقہ بگوش رام تھے چکی میں قلعہ گیر — گھبرا کے میگھناد بندھا تا تھا سب کو دھیر

رہ رہ کے دے رہے تھے دہائی حضور کی
خم ہو گئی تھی جنگ میں گردن غرور کی

بندر سادشمنوں کو بچاتی تھی جاموت — لاکھوں کو ایک ساتھ سلاتی تھی جاموت
بنتی تھی جان پہ پاس جو آتے تھی جاموت — پڑتا تھا پاؤں جس کو اٹھاتے تھی جاموت

بیٹھی زمین بام فلک کو ہلا دیا
لنکا میں اپنے نام کا ڈنکا بجا دیا

بچھری برنگ شیر جو بجرنگ سے بلی — وہ شور تھا کہ مچ گئی دنیا میں کھلبلی
دم چھوڑ لئے تھے وہیں تھی دشمن کی بیکلی — آیا یہ اڑ کے خود وہ تیغ ستم چلی

بھگدڑ پڑی تھی فوج میں نعرہ تھا ہنت ہنت
سنگرلو باغ باغ تھے خنداں تھی جاموت

اکھڑی ہوائے جور کچھ ایسی بندھی ہوا — چھپنے لگی نیام میں شمشیر اشقیا

الٹی تھی بات بات پہ اوسان تھی خطا لب پر تھا رام رام زباں پر مرا مرا
کہنے تھے کچھ تو منہ سے نکلتا تھا اور کچھ
کرتے تھے کچھ وہ اور کراتے تھے طور کچھ

لڑنے جو آئے تھے شہِ عالیمقام سے کانوں پہ ہاتھ رکھتے تھے انگد کے نام سے
بالا پڑا تھا اب اسی محشر خرام سے سرکا نہیں کا پاؤں کسی تیز گام سے
لنکا پوری جلائی تھی بجرنگ نے مگر
راون کا سر جھکا تھا تو انگد کے پاؤں پر

فرطِ غضب سے جوش میں آتے تھے لکشمن کوسوں عدو کی گرد نہ پاتے تھے لکشمن
اب کشت و خوں سے ہاتھ اٹھاتے تھے لکشمن مایوس رزمگاہ سے جاتے تھے لکشمن
چلّہ پہ شکتی بان چڑھائے ستم ظریف
ہنستا تھا میگھ ناد مگر دل میں تھا خفیف

نکلا کماں سے تیر سپر ہو گئے لکشمن شکتی لگی تو پھول سا مرجھا گیا بدن
نخلِ الم کی چھاؤں میں لوٹے رہا تھا تن چمکا ہوا درخت سے کافر تھا خندہ زن
نکلا جو رام نام جتی کی زبان سے
کترا کے برق ٹوٹ پڑی آسمان سے

آغوش شیح طور میں لہرائے لکشمن رگھوبر تڑپ کے چیخ اٹھے ہائے لکشمن
رگھو بنس کا چراغ ہے گل ہوائے لکشمن آئی تمھاری لاش مجھے آئے لکشمن
بازی لگا کے چھوٹ گئے خود تو جان کی
کب تک تکے گی راہ بتاؤ تو جانکی

دل چیر کر دکھاؤں تو کیسے دکھاؤں میں | لاؤں کہاں سے ہاتھ کہ خنجر اٹھاؤں میں
اتنا بڑا ہے کانٹا کہاں تک چھپاؤں میں | لچھمن تمہارے ساتھ کہیں مر بھی جاؤں میں
اپنا میں سر دباؤں کہ تم پہ ہوا کروں
بے دست و پا ہوں آج بتاؤ تو کیا کروں

سر میں بھری ہے خاک کہ آغوش میں ہے سر | موتی برس رہے ہیں شبنم کی خاک پر
تاریک ہے جہان کہ جل دے گئی نظر | ٹوٹا ہے دست راست شکستہ ہوئی کمر
غربت میں ساتھ چھوڑ دیا غم نصیب کا
کافور تیرگی میں ہے سایہ غریب کا

خنجر کہاں کا پاؤں اٹھایا نہ جائیگا | مجھسے کسی کو منہ بھی دکھایا نہ جائیگا
اشکوں سے دل کا داغ مٹایا نہ جائیگا | پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا
سنکر یہ بین رام کے سب بدحواس تھے
چھائی ہوئی تھیں غم کی گھٹائیں اداس تھے

لنکا میں ڈھونڈ کے آگ بھبکیں لگا گئے | لیکر سوکھین وید کو ہمراہ آ گئے
روشن ضمیر وید تھے سب بھید پا گئے | حالت اگرچہ غیر تھی لیکن چھپا گئے
بولے کہ آسرا مجھے پرماتما کا ہے
دشوار صرف وقت پہ ملنا دوا کا ہے

بوٹی[1] سنجیونی کوئی رصناگری پہ جائے | نکلے نہ دھوپ چھاؤں میں تاروں کی لوٹ آئے
بوٹی میں یہ صفت ہے کہ پیسے میں گر پلائے | ٹوٹی نہ ہو تو موت کے منہ سے کھینچ لائے
بیٹھے رہے سوسین یوں سست ہوا ہوئے

---

۱ ورشال ومرفا بوٹی جو رات کو جگنو کیطرح چمکتی ہے اور بجلی وغیرہ کے اثر کو زائل کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

چھو ہو کے دم زدن میں خدا جانے کیا ہوئے

اُچھلے تو ایک سانس میں منزل کو جا لیا　　ڈوبے تو زیرِ گام تھا فرقِ ہمالیا

بوٹی نظر نہ آئی تو پربت اٹھا لیا　　لینے جو آئے آپ نے اُس سے سبو لیا

اُڑتے ہوئے فضاؤں پہ بجرنگ چل دیئے

کٹ کٹ کے ظلمتوں نے ستارے اُگل دیئے

گذرے اودھ سے آپ تو مارا بھرت نے تیر　　سمجھے کہ کچھ فساد پہ مائل ہے چرخِ پیر

سر پر پہاڑ توڑ لے آتا نہ ہو شریر　　بجرنگ کیا خبر تھی کہ لاتے تھے جوئے شیر

چلّا کے رام رام گرے آسمان سے

پہنچا دیا بھرت نے مگر دگ بان سے

بھیگی ابھی تھی رات کہ لنکا میں لوٹ آئے　　اُٹھّیں گھٹائیں جھوم کے بادل فلک پہ چھائے

بوٹی کا سبز باغ کہ شیخِ بہار لائے　　دو چار جُرم رس کے لکھن کو جہاں پلائے

رُوئے قمر پہ پھول کھلا تھا گلاب کا

چھینٹوں نے شوخ رنگ نکھارا تھا شباب کا

ٹوٹا سکوت حیرتِ ماہِ تمام سے　　گِن گِن کے سنکڑوں کو گرایا غلام نے

پانی ہو سیکھنا دجو آ جائے سامنے　　ڈالے گلے میں ہاتھ کہا ہنس کے رام نے

دو دو اگر ہوں ہاتھ تو ہو جائیں چار ہاتھ

کر دوں نثارِ قوتِ بازو ہزار ہاتھ

عہ ہوائی جہاز جیسا تیر

میگھ ناد بدھ

آغازِ دورِ صبح کا منظر تھا سامنے — جلوہ فروزِ مہرِ منوّر تھا سامنے
استادہ حرص و آز کا لشکر تھا سامنے — پیچھے تھی فوج عرصۂ محشر تھا سامنے
گھوڑا اُڑائے جاتے تھے لچھمن کہ موجِ باد
یا گھر جائے دُور سے آتا تھا میگھ ناد

گھٹتا تھا میگھ ناد پسِ خیلِ روسیاہ — پیچھے لکھمن کے رام تھے اور مختصر سپاہ
اک مہرِ نیم روز تھا اک ماہِ نیم ماہ — جلوے تھے بے نقاب تو نیچی تھی خود نگاہ
کھینچی جو باگ خسروِ عالی مقام نے
جنّ و بشر کو موت نظر آئی سامنے

جمنے لگیں صفیں سرِ میداں کھلے عَلَم — سامانِ حرب و ضرب ہوا جا بجا بہم
پانو تھے سرخروشِ والا کا تھا کرم — منہ تک رہے تھے دُور کھڑے بانیِ ستم
ڈھولوں پہ چوٹ پڑتے ہی لشکر میں چھڑ گئی
راون کی فوج رام کی سینا سے بھڑ گئی

یورش ہوئی اُدھر سے اِدھر سے ملا جواب — نرغہ کیا سپاہ نے بڑھتے گئے جناب
مارا جھپٹ کے اسکو پچھاڑا اُسے شتاب — بابِ ظفر کھلا ہے کہ در آئے آفتاب
بدلی جو چھانٹ دی تھی یہ ماہِ تمام نے
لڑنے ہوا سے کوئی نہ آیا تھا سامنے

لچھمن بپھر کے آئے ہجومِ خیار میں — آتا ہے جیسے شیر بھڑک کر کچھار میں

بیٹھا جو چاند حلقۂ گرد و غبار میں   دَور خزاں نے آگ لگا دی بہار میں
رن کی زمین سرخ تھی میداں پٹا ہوا
بالوں کی باڑھ سے تھا سمندر کٹا ہوا

نکلا گہن سے چاند لہو چاٹ چاٹ کر   لپٹے اگائے تیغ نے دریا کے گھاٹ پر
چھایا فلک پہ ابر ہوئی بارش سپر   سیلاب تیغ تیز میں ڈوبے تھے خشک و تر
سر دے کے سر بچے تو سبک دوش ہو گئے
وہ رن پڑا کہ موت کے اوسان کھو گئے

جس وقت میگھ ناد کی جانب اٹھی نظر   لپکے برنگ برق چلے تیغ کھینچ کر
آیا جو درمیاں تو گیا دیکھے اپنا سر   ٹوٹا کسی کا ہاتھ کسی کی اڑی کمر
لڑتا تھا اندرجیت سے ہونٹوں پہ تھی ہنسی
کشتی بری غضب کی گرداب میں پھنسی

کرتے تھے تول تول کے دشمن عدو پہ وار   بچتا تھا بال بال ستم کیش بار بار
الٹی ادھر جو صف تو بچھائی ادھر قطار   پتلی سا ناچتا ہوا پھرتا تھا راہوار
کوندے کی تھی لپک ادھر آیا ادھر گیا
موت آ گئی قضا کا پھیر جدھر گیا

خنجر کی باڑھ پر جو چلا غش پڑ گیا   کھینچی اگر کمان تو چلّہ اتر گیا
ٹکڑے زرہ کے ہو گئے بکتر بکھر گیا   غیرت کے مارے آپ اشارے میں مر گیا
دیتی تھی ساتھ تیر اجل کا کمان تک
اٹھتے تھے ہاتھ اگر تو پہنچتے تھے کان تک

اب جیت سنگھ ناد کی بدلی تھی ہار سے　　دشمن کو موت روک رہی تھی فرار سے
آئی نہ آنچ خاک بھی شکتی کے وار سے　　بجلی کی لہر کٹ گئی خنجر کی دھار سے

تھا استوار کوہ صفت جنگجو کا سر
اترا نہ اپنے وقت سے پہلے عدو کا سر

بل کھا کے خود سوار فرس سے چپک گیا　　جلنے سے ہاتھ اٹھائے کچھ ایسا جھجک گیا
سہما برنگ دیدۂ بد میں جھپک گیا　　چپکے سے آفتاب فلک سے کھسک گیا

پھر ہاتھ کھا چکا تھا تردھم سے خود کام اندرجیت
لایا جونہی زبان پہ دشنام اندرجیت

ڈالا جھپٹ کے ہاتھ جتی نے کمان پہ　　چٹکی میں بان موت کا سایہ تھا بان پہ
دو تیر ایک ساتھ چلے آسمان پہ　　بدلی ہوئی نگاہ تھی سر کی اڑان پہ

اڑ کر گرا جو غنچہ سا قدموں میں رام کے
پیدا حضور صبح تھے آثار شام کے

لاشہ تھا اندرجیت کا راون کی گود میں　　والے کی آب ختم تھی خرمن کی گود میں
شوہر کا ہاتھ کٹ کے گرا زن کی گود میں　　ٹکڑا اٹھا ابر کا مہ روشن کی گود میں

کیسا غروب نیّر اقبال ہو گیا
جینا سلوچنا کے لئے کال ہو گیا

جس میں سپہر لوس تھا لنکیش کا علم　　حیران سی تھی ہاتھ وہ کیونکر ہوا قلم
دیکھا ادب سے دست بریدہ میں اک قلم　　کی عرض ہاتھ جوڑ کے احوال ہو رقم

لکھا آل جنگ جو دست حبیب نے

ہاتھوں سے سر کو پیٹ لیا غم نصیب نے

"ستی سلوچنا"

جوڑا چھٹا تو چاند گہن میں سما گیا — گھر گھر کے سر پہ ٹوٹ پڑی قہر کی گھٹا
چوڑی بڑھائیں مانگ تھی بکھر گئی ہوا — شبنم سی پھوٹ پھوٹ کے روئی سلوچنا

پھولی ہوئی شفق تھی کہ آنکھیں تھیں حور کی
پتلی تھی یا شبیہ دل ناصبور کی

کانٹا ہوئے تھے سوکھ کے لب دھان پان سے — بھیگے ہوئے عرق میں تھے ابرو کمان سے
دل پہ لگا جو تیر تو نکلا زبان سے — دھونا پڑیں گے ہاتھ محبت میں جان سے

منہ پہ اڑیں ہوائیاں سرخی ہوا ہوئی
دم میں چھوئی موئی سے سوا مہ لقا ہوئی

آنسو پئے تو ضبط سے حالت ہوئی تباہ — فرقت کی تیرگی میں نہ تھی صورت نباہ
اٹھتی تھی دل میں ہوک سی کرتی تھی آہ آہ — بجھنا تھا جی تو آگ لگاتی تھی اور چاہ

دھیرج بندھا چنک جو پڑی دل کے کان میں
بٹہ لگا ہے آج شجاعت کی شان میں

شوروں کو رن میں پیٹھ دکھانا حرام ہے — چھتر انیوں کو اشک بہانا حرام ہے
مرتاٹ پتی کو رو کے لجانا حرام ہے — بس بس کلنک کے ٹیکے پہ لگانا حرام ہے

پاتے ہیں رن میں ویر گتی شیر بھاگ سے

۱۔ ہیرو کو
۲۔ ہیروئن

ستونتیوں کا روپ نکھرتا ہے آگ سے

بولی کہ ہوگی کو شراروں سے لاگ ہے — بھڑکی ہوئی چتا کہ جوانی کی آگ ہے
منگل کو بچ غروب کے ڈسنے کو ناگ ہے — شعلوں کا اب سنگار ستی کا سہاگ ہے

مرتے ہیں شور ویراسی (را) کی چاہ میں
خنجر بچھے ہوئے ہیں محبت کی راہ میں

وحشت ہوئی سوار تو جنگل کی راہ لی — ہمت کے پست ہوتے ہی بڑھتی تھی بکلی
سائے سے اپنے آپ ٹھٹھکتی ہوئی چلی — گلشن میں آئی رام کے کھلتی ہوئی کلی

رگھو کل تلک کے پاؤں پہ خم تھا ستی کا سر
نیچا تھا احترام سے سیتا پتی کا سر

رخ پر گئی نگاہ تو ماتھے پہ بل پڑے — آتے ہی یاد شورپنکھا کی اچھل پڑے
مہر وعناد میں وعظ کے چشمے ابل پڑے — دیکھا جو رنگ اور لکھن اٹھ کے چل پڑے

زخمی کیا ہرن کو اشاروں سے رام نے
رکھے جگر پہ ہاتھ سلوچن کھڑی سامنے

بولے سنبھل کے حسن کی زینت حیا سے ہے — غیروں سے اجتناب کی حاجت سدا سے ہے
پھولوں میں تازگی یہ مزاج صبا سے ہے — اکھڑی ہوائے خار کمند ہوا سے ہے

سمجھی جو اس سخن کو تھمھولی سلوچنا
فوراً دلی زبان سے بولی سلوچنا

سائے پہ پڑ سکی نہ کبھی مہر کی نظر — تاروں کو گرد بھی نہ ملی خاک چھان کر
ملتے تھے غنچہ ہائے جبیں صورت قمر — منہ کھل گیا جو بہر سفر بند ہو چکی کمر

پردہ سے تھا فروغِ جمالِ حریم کو
لگنے نہ دی ہوا کبھی موجِ نسیم کو

میرے چھپائے رام سے کچھ بھی چھپا نہیں
وہ کیا ہے کوئی راز جو اُن پر کھلا نہیں
اپنا اگر قصور بھی ہو تو خطا نہیں
خود اپنی سمت مڑ کے کوئی دیکھتا نہیں

راجہ پتا کا روپ ہے غیروں کا ذکر کیا
سب جانتے ہیں آپ تو پھر اِس کی فکر کیا

سورج کو آج دھوپ دکھانے چلی ہوں میں
محرم کو دل کی بات بتانے چلی ہوں میں
خود اپنے گھر میں آگ لگانے چلی ہوں میں
اپنا نشان آپ مٹانے چلی ہوں میں

ہو جاؤں گی ستی جو ملے گا پتی کا سر
بارِ کرم سے پھر نہ اُٹھے گا ستی کا سر

قسمت پہ کس کا زور ہے دکھ جو دکھائے
تہمت کوئی لگائے کہ اُنگلی کوئی اُٹھائے
دل میں نہیں ہے میل تو دھبہ کہاں سے آئے
میں نشکلنک ہوں تو ابھی شیش مسکرائے

سنتے ہی ہو گیا گلِ خنداں پتی کا شیش
سیلابِ رنگ و نور میں گم تھا ستی کا شیش

جھونکا ہوا کے سرد کا جادو جگا گیا
سر اُٹھ کے آپ ہی اک طرف تیر سا گیا
پردہ اُٹھا تو گود میں پتنی کی آ گیا
ساری سبھا پہ رعبِ حقیقت کا چھا گیا

ڈوبی ہوئی شرن میں جو آئی تھی رام کی
ہنستی تھی لو لگائے ہوئے سورگ دھام کی

---

۱ بے گناہ ۔ ۲ مہر ۳ پناہ ۴ جنت

"لنکا وجے"

اُٹھتے ہی میگھ ناد کے پھیلی وہ سنسنی — آئی نہ کام وقت پہ کچھ تیر افگنی
تلوار تھی کہیں نہ وہ تلوار کا دھنی — بیٹھے بٹھائے جان پہ راون کے آ بنی
چلتا تھا جیسے پیکرِ خاکی سے جاں چلے
منددری نے رو کے پکارا کہاں چلے

گھر سے قدم نکال کے دنیا سے جاؤ گے — آیا نہ کوئی لوٹ کے تم بھی نہ آؤ گے
لنکا میں اپنے ہاتھ سے لوکا لگاؤ گے — زندہ مجھے بھی اپنی چتا میں جلاؤ گے
کیا تم پہ زور میرا چلے گا نہ اب کبھی
اس گھر میں کیا چراغ جلے گا نہ اب کبھی

پھیکی نمودِ صبح سے رنگت ہے شام کی — بھڑکی ہے دل میں آگ یہ کیوں انتقام کی
کھائے ہو گاہ سر کی قسم گاہ رام کی — ادنیٰ سے جن کے دوت نے لنکا تمام کی
بھگوان کا سروپ ہیں اوتار رام ہیں
جن و ملک تمام انھیں کے غلام ہیں

لنکا نہ ڈھونڈھ کبھی سے کچھ کام دیکھ لو — پنڈت ہو سام رامؑ کے احکام دیکھ لو
عبرت نگر ہو جنگ کا انجام دیکھ لو — سمجھو اسے امن و صلح کا پیغام دیکھ لو
رگھوکل تلک کی آج بھی داسی ہے جانکی
گویا تمہارے خون کی پیاسی ہے جانکی

منہ پھیر کر یہ راون خود کام نے کہا — ہونا تھا جو سو ہو لیا اچھا ہو یا برا

تشخیص بھی درست ہے تجویز بھی بجا — کیا کیجئے علاج کا موسم گذر گیا
قسمت میں کیا لکھا ہے کسی کو خبر نہیں
باقی فراقِ نورِ نظر میں نظر نہیں

دنیا میں جاودان ہے تو راون کا نام ہے — چھوتا ہے پاؤں کال بھی اپنا غلام ہے
چھتراینوں کو شمشیر سجانے سے کام ہے — بدلا لیا نہ آج تو جینا حرام ہے
بے دست و پا بھی ہاتھ دمِ جنگ دیکھنا
کرتے ہیں کیسے رام کو چوپٹ رنگ دیکھنا

سوتے میں حشر و نشر کے فتنے جگاتے ہیں — اُلٹے طبق زمین کے ہوا سے لڑاتے ہیں
ہفت آسماں بھی دیکھ کے چکر میں آتے ہیں — ہاتھوں سے سر اتار کے سہرے چڑھاتے ہیں
چھتراینوں کے دودھ کا جوہر بدن میں ہے
کچھ زندگی کا لطف بریدہ بدن میں ہے

آنسو جدھر میں شریک یہ جننی کے شوک میں — موتی پرو دئے جائیں گے بھالے کی نوک میں
سکہ بٹھا کے آئیں گے بیرین لوک میں — ممکن نہیں کلنک لگے ماں کی کوکھ میں
پہلے مٹائیں خیر تو خود اپنی جان کی
کس منہ سے کر رہے ہیں تمنائے جان کی

چھیڑا کا ہے جنگیوں سے نمک حید کر جگر — آئیگا ایک ہاتھ میں نیزہ پہ اُڑ کے سر
پانی اگر ہے تیغ میں لائیں گے کاٹ کر — ڈالا گیا ہے ہاتھ جو ابلا کی ناک پر
یہ تو بتاؤ تم کہ کدھر سے ہوئی ہے چھیڑ
آئے پیام صلح جدھر سے ہوئی ہے چھیڑ

پربت کو انگلیوں پہ نچانا محال ہے — دستِ قضا سے جان چھڑانا محال ہے
گزرے ہوئے کو پھیر کے لانا محال ہے — پیچھے قدم بڑھا کے ہٹانا محال ہے
یہ وصل اور ہجر کا اب ذکر کس لئے
ہو فکر کی نہ بات تو پھر فکر کس لئے
اوتار ہے جو رام تو کیونکر مریں گے ہم — گر یوں ہوا تو پھر جہاں سے تریں گے ہم
لاکھوں کے خوں میں ہاتھ یقیناً بھریں گے ہم — ہوگا وہی جو تم نے کہا ہے کریں گے ہم
کھائے ہیں اتنے زخم گننا محال ہے
مرنے کے اشتیاق میں جینا وبال ہے
کانٹے الجھ رہے ہیں دلِ داغدار سے — اچھا خزاں کا دور ہے ایسی بہار سے
رکتی ہیں آندھیاں کہیں تنکوں کے تار سے — اب تو تمہاری جیت بھی بدتر ہے ہار سے
بچھڑے ہوئے بہشت میں ملتے ہیں غم ہے کیا
ہوں قتل اس کے ہاتھ سے یہ فخر کم ہے کیا
جکڑا ہوا پہاڑ تھا لوہے کے جال میں — کانٹے تھے جسم کا صفت بال بال میں
بجھتا ہوا چراغ تھا سونے کے تھال میں — ماضی کا رنگ صاف جھلکتا تھا حال میں
یوں زندگی سے روٹھ کے لنکیش چل دیا
بجھ بجھ کے خود سروں نے پیامِ اجل دیا

وہ آگیا شکار کہا اک غلام نے — دستہ اڑا سپاہ کا اژدر کو تھامنے
لنکا پتی کو دور سے دیکھا جو رام نے — اٹھتی ہوئی سی گرد نظر آئی سامنے

اُٹھے تڑپ کے صورتِ ابرِ رواں چلے
لچھمن کے ساتھ جانبِ جنگِ زماں چلے

رگھوکل تلک کہ موت الٹتی تھی آستین　　میدانِ کارزار میں تھا دیکھنے کا سین
اُلٹی تھی شہ سوار کے سر پر سوارِ زین　　کٹتا تھا ایک ایک تو ہوتے تھے تین تین
چھوٹے تھے گیر و دار میں چھکّے لئیم کے
لڑتے تھے جان توڑ کے دستے غنیم کے

پیہم سرِ عدو پہ چلے بے شمار تیر　　ہوتے تھے ایک تیر سے پیدا ہزار تیر
چھائے فضا پہ صورتِ گرد و غبار تیر　　کانٹے کی طرح جسم سے تھے آر پار تیر
دم خم سے رو سیاہ کے کٹ کٹ گئی اجل
پایا جو راستہ نہ کہیں ہٹ گئی اجل

اُڑتا تھا ایک سر تو نکلتا تھا ایک اور　　بیکار تھا جو داؤں تو بگڑا ہوا تھا طور
کیونکر بھری بہار میں آیا خزاں کا دور　　پر جل رہے تھے عقل کے ایسی تھی جائے غور
کیا سمجھے وہ تھا پیش نہ جاتی تھی ایک بھی
تدبیر آج کام نہ آتی تھی ایک بھی

کہتے تھے رام رام جو گرتے تھے کٹ کے سر　　سٹتا تھا اک ادھر تو اُچھلتا تھا اک اُدھر
قامت میں اسکی فرق نہ پڑتا تھا بال بھر　　قالب میں آدمی کے قیامت تھی جلوہ گر
ہونے کو حرب و ضرب میں ایک ایک فرد تھا
پر مایوسیوں سے رنگ مگر سب کا زرد تھا

دم میں سے ایک سر نہ گھٹا قیل و قال سے　　جی سیر ہو چکا تھا جدال و قتال سے

کٹنے لگی تھی تیغ بھی چکرا کے ڈھال سے راون کو خوف نام کو بھی تھا نہ کال سے
امرت بھرا ہوا تھا ستمگر کی ناف میں
آبِ بقا کی نہر تھی دامانِ قاف میں
ناگاہ ایک تیر لگا آ کے ناف پر دوہری ہوئی تھی ٹوٹ کے ٹوٹی ہوئی کمر
لڑھکا زمیں پہ موت نے دی دعوتِ سقر ہاتھوں پہ بڑھ کے روک لیا رام نے مگر
آغوش میں سُلا کے اُسے رام کر لیا
دی وہ جزا کہ بندۂ بے دام کر لیا

"ستونتی سیتا"

لنکا کا راج پاٹ بھبھیکن کو سونپ کر اُڑتے ہوئے فضاؤں میں پُشپک وِمان پر
رگھوبر جتی ستی کو لئے آئے اپنے گھر ٹھنڈا ہوا انکو دیکھ کے ماتاؤں کا جگر
چودہ برس کے بعد چراغاں اودھ میں تھا
پھر چودھویں کا چاند درخشاں اودھ میں تھا
مسرور اک جہان تھا خلقت تھی شادماں سیتا سی پاکباز سے بدبیں تھے بدگماں
چلتی تھی مثلِ تیغِ ستم کھُردری زباں خود کھودتے تھے ہاتھ سے اپنے لئے کنواں
وہ انگلیاں اُٹھیں کہ لگا چاند میں گہن
تھا سب نظر کا پھیر نہ تھا چاند میں گہن
گھڑتی تھیں دل ہی دل میں جو ستی تھیں نیکنام سب جانتے تھے جھوٹ ہے چرچا مگر تھا عام

سیتا کی پارسائی کے قائل تھے دل سے رام   مد نظر تھا پھر بھی رعایا کا احترام
سو دل سے مہرباں تھے ابلا کی ذات پہ
پرّاں تھے ہوش مفت میں لے پر کی بات پہ

دیکھا ہوا کا رُخ تو چھٹا دامنِ قرار   لہرائی لالہ زار میں بل کھا کے جوئبار
پھنکتا تھا جوڑ جوڑ نکلتا نہ تھا بخار   ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولیں وفا شعار
رگھوکل کا جس میں مان ہو وہ کام کیجئے
سیتا کا اب نہ بھول کے بھی نام لیجئے

کہنے کو کوئی کچھ کہے اچھی ہوں یا بری   یہ فخر کم نہیں ہے کہ داسی ہوں آپ کی
مرنی جو ہے تو ہجر میں مر جائے جانکی   لیکن امر ہو جائیگی ولبھ کی کیرتی
قدموں میں دل بچھاؤں کلیجہ نکال دوں
تن بارِ مشتِ خاک ہے سوبج پہ ڈال دوں

دنیا میں بول عرش سے بالا ہو آپ کا   ٹلنے نہ پائے پاؤں نہ سایہ بھی پاپ کا
اچھا نہیں ہے ہونا ہنسی کے ولاپ کا   گھر چھٹ چکا ہے خیر ہے جنگل میں باپ کا
ہے درد ہی علاج تو فکرِ دوا نہیں
شکوہ نہیں ہے فراق غضب ہے نیا نہیں

آخر مہاں تیاگ کیا رگھوپتی نے دی رضا   خود تیرگی میں ہو گئیں سایہ صفت جدا
منھ تکتا ہی رہ گیا جس کو لگی ہوا   چھوٹا تو کیا دیا بھی نہ اس دن کہیں جلا
سیتا نے لی پناہ رشی والمیک کی
تھی آسماں وفا نہ کٹی والمیک کی

سائے سے آفتاب کے سیتا ہوئیں نہال — لوکُش نے ماتاؤں میں کیا کیا لگائے لعل
پلتے تھے پالنے میں چمکتے تھے خوش جمال — پنہاں تھی لوریوں میں مگر کاہشِ ملال
یہ چاند وہ تھے جن سے تھے پیدا ہزار چاند
مٹی میں لوٹ لوٹ کے تھے تابدار چاند

رگھوبر تھے راج رنگ میں بیگانۂ الم — لہرا رہا تھا عرش پہ اب پرچمِ حشم
کرتی تھی دل کی آگ کو سیراب چشمِ نم — پھلنے کو تھی بہار میں شاخِ نہالِ غم
تھی اشومیدھ یگیہ رچانے کی آرزو
سیتا کو گھر میں ڈھونڈھ کے لانے کی آرزو

گھوڑے کے ساتھ فوجِ ظفر موج تھی رواں — چومے قدم بہار نے آئی گئی جہاں
ہوتا تھا فرشِ راہ سرِ اوجِ آسماں — جھک جھک کے سرفراز ہوئے والیٔ نشاں
ہنکا نہ کوئی یگیہ کا گھوڑا جدھر گیا
اِک اُڑا کہ حدِّ نظر سے گذر گیا

لوکُش کی اتفاق سے اس پر پڑی نظر — سرپٹ اُڑے کمند میں لے آئے باندھ کر
اِس واقعہ کی رام کو جس دم ملی خبر — تن کر نکل کھڑے ہوئے اتنی سی بات پر
بچوں کو یہ بھی کھیل تھا نادان اڑ گئے
کیا بال ہٹ تھی رام کی سینا سے لڑ گئے

بجرنگ بے حواس تھے ایسا پڑا تھا رن — اُٹھتے تھے اُن پہ ہاتھ اُٹھاتے ہوئے لکھن
سمجھا رہے تھے باز نہ آتے تھے تیر زن — لب پر تھا صاف نعرۂ ھَل مِن مُبارِزاً
کہتے تھے جھوم جھوم کے گھوڑا نہ جائیگا

لیجائے کوئی چھین کے چھوڑا نہ جائیگا

آتا تھا مورچہ یہ کہ سکتہ میں آئے رام   دیکھا کہ ماتاؤں کا دوہرا بچھا ہے دام
لچھمن کے تیکھے بول سے بھڑکے ہیں لالہ فام   منہ تک ہی ہے فوج دو دھارے ہیں بے نیام
دل کھینچ رہا تھا جوش میں الفت تھی باپ کی
درپیش معرکہ تھا کہ صورت ملاپ کی

وسعت پذیر شوق تھا تا حد اضطراب   طوفان رنگ نور میں کھاتے تھے پیچ و تاب
آنکھیں کھلی تھیں دیکھ رہے تھے حسین خواب   چونکے تو سوریاؤں سے ابھرے فلک جناب
چھٹپن سے ہے خود گواہ لڑاکے ضرور ہے
کس خوش نصیب باپ کی آنکھوں کا نور ہے

خنجر نے جھک کے لے لیے بوسے نیام کے   گونجے فضا میں بول یہ شیریں کلام کے
پالے ہوئے ہیں حلقۂ ماہ تمام کے   کہتے کسے ہیں باپ سمجھتے ہیں رام کے
ماتا کے دل کا چاند ہیں آنکھوں کا نور ہیں
ہوئے کو چھوٹے ہوں پر راج دلارے ضرور ہیں

گرداب آرزو تھا مگر چشمہ بہار   دل کے شکستہ ساز کا بجتا تھا تار تار
پانی تھی چشم شوق میں برق نشاط کار   بجتے ہوئے امنگ میں لہجے فلک شکار
لو پہ چراغ صبح ہے دامن میں شام کے
سیتا کا رنگ روپ ہے نقشہ ہیں رام کے

دونوں نے چھوٹتے ہی کہا ٹھہر جائیے   ماتا کا نام دیکھئے منہ پہ نہ لائیے
چھوٹا سا منہ ہے اور بڑی بات آئیے   لڑنے کا حوصلہ ہو تو خنجر اٹھائیے

آئے زباں پہ حرف ذرا دیکھ بھال کر
بھرتی ہے منہ میں خاک فلک پر اچھال کر

اہرت سا گھولتے ہوئے بولے ادا شناس — کرتے ہیں ذی شعور غریب الوطن کا پاس
مجھ کو بچھڑ کے نہ چلو اپنی ماں کے پاس — کہتے خضر راہ رام یہ تصویر حزن و یاس

دیکھی جھلک جو دور سے سیتا نے رام کی
گویا نرک میں آئی ہوا سورگ دھام کی

کرنے لگیں یہ بین بصد حسرت و فغاں — گرتا ہے لڑکھڑا کے وہ اوپر سے آسماں
دامن سے اپنے ڈھانپنے منہ جلد ادّ ماں — شق ہو گئی زمین اڑا عرش پہ دھواں

سیتا وسندھرا کے شکم میں سما گئیں
روتی ہوئی صدائیں بیاباں پہ چھا گئیں

تمت

دعوتِ مژگاں :-

ہم بڑے فخر کیساتھ "امر کہانی" آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ہمیں افسوس ہے کہ ہم اسکی صوری خوبیوں میں خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکے۔ اس باب میں ہمیں کیسے کیسے دھوکے دیئے گئے اور کیا کیا دقتیں در پیش آئیں یہ صرف ہم تک ہی محدود رہے تو اچھا ہے۔ بہرحال اگر کتاب آپ کو پسند آئے تو براہِ کرم اپنی زباں دوستی اور ادب نوازی کے صدقے اسکی اشاعت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ شکریہ پیشگی

نیازمنداں :۔ ناشران

"جھنکار"

یہ جو گلشن میں اُمیدوں کے بہار آئی تھی
شعلۂ برقِ سرِ طور کی انگڑائی تھی

جلوۂ حُسن سے چمکا تھا ستارا میرا
گردشِ چرخ کو جینا تھا گوارا میرا

باغِ فردوس کے پھولوں سے بھرا تھا دامن
صورتِ شمع مرا دیدۂ دل تھا روشن

چاندنی شیشۂ گلگوں میں سمٹ آئی تھی
میرے خمخانۂ الفت نے جِلا پائی تھی

مسکراہٹ کے ترنم کی ضیا باری تھی
نکہت و نور کی رنگین گھٹا طاری تھی

کیا خبر تھی کہ جُدا مجھ سے یہ نعمت ہوگی

میری آغوش میں اک چاند سی میّت ہوگی
زندگی خوابِ پریشاں سے بدلجائیگی
میرے بچّے کی قضا یوں مجھے تڑپائے گی

صورتِ شمعِ فسردہ ہوں سراپا حسرت
تودۂ خاک فتادہ ہوں برنگِ تربت
روح بیتاب سی بیتاب ہوئی جاتی ہے
کس کی تربت سے یہ رونے کی صدا آتی ہے

حیف در چشم زدن رشکِ بہار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

بیتاب

تاریخ وفات :-
۲۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء

اشتہر کاتب پہلی بچی کی تحریر بود

DUE DATE

داات ۲۹۳۶۵۹۲

(ب۱۳۴وک)

۳۲۳۴۹

Date	No.	Date	No.